اسلام کی توحیدی تعلیمات

(حضرت امام رضاعلیہ السلام کے بیانات کی روشنی میں)

The Monotheistic Teachings of Islam

(In the light of the sayings of Imam Reza A.S)

Syed Rameez ul Hassan Mosvi

Director N.H. Markaz-e-Tehqeeqat

E-mail: rameez2018.pk@gmail.com

Abstract

Knowing about Almighty Allah and monotheism is a basic need of human race. It is to this reason that the Imams from the *Ahl al-Bayt* did their best to defend and safeguard the tradition of monotheism. If the Imams had not cleared the doubts, ambiguities, and objections regarding the monotheism, the spirit of monotheism might have left the body of the ummah. On the other hand, the theologian usually divide monotheism into four kinds, namely *tawheed-e zati* (monotheism vis-à-vis the essence of God), *tawheed-e sifati* (monotheism vis-à-vis the attributes of God), *tawheed-e afa'li* (monotheism vis-à-vis the actions of God), and *tawheed-e ibadi* (monotheism vis-à-vis the worship of God). Drawing on the aforementioned types of monotheism, an attempt has been made in this article to highlight the Islamic teachings of monotheism in the light of the sayings of Imam Reza (A.S).

Keywords: Monotheism, *Ahl al-Bayt,* Theologians, *Imam Reza*.

خلاصہ

اللہ تعالی کی معرفت اور توحید، انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے ہر دور میں اپنی سیرت اور تعلیمات کے ذریعے کلمۂ توحید کی پاسداری کا حق ادا کیا ہے۔ اگر آپ توحید کے حوالے سے پائے جانے والے شکوک و شبہات واعتراضات کا جواب نہ دیتے تو اُمت اسلام کے بدن سے توحید کی روح ختم ہوچکی ہوتی۔ دوسری طرف، متکلمین نے عام طور پر توحید کی بنیادی چار قسمیں ذکر کی ہیں جنہیں توحید ذاتی، توحید صفاتی، توحید افعالی اور توحید عبادی کا نام دیا گیاہے۔ اس مقالہ میں توحید ہی انہی اقسام کو مدّنظر رکھتے ہوئے حضرت امام رضاعلیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں اسلام کی توحیدی تعلیمات بیان کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

کلیدی کلمات: توحید، اہل بیتؑ، متکلمین، امام رضا علیہ السلام۔

تمہید

توحید، معرفت اور اطاعت وعبادت، انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہیں۔ انسان خدا کی معرفت، اطاعت اور اس کی بندگی وعبادت کے بغیر گویا تاریکیوں میں زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ لیکن جونہی مادیت کی اس چمک دمک سے دور ہوتا ہے تو اسے ایک گہری تاریکی کا احساس شروع ہو جاتا ہے۔ خدا کے بغیر انسان نہیں جانتا کہ وہ کہاں سے آیا ہے، اُسے کہاں جانا ہے اور وہ کس لئے اس دنیا میں آیا ہے۔ ان سوالوں کے جوابات خدا کی معرفت اور اطاعت وبندگی کے بغیر ملنے مشکل ہیں۔پس توحید اور معرفت الٰہی انسان کی روح اور نفس کی ضرورت ہے۔ دوسرے الفاظ میں توحید اور بندگی انسان کے روح وقلب کی مفید ترین غذا ہے اور انسان کی معنوی حیات کے لئے آکسیجن کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے بغیر نہ تو فرد زندہ رہ سکتا ہے اور نہ معاشرے حقیقی حیات کا ذائقہ چکھ سکتے ہیں۔اسی لئے کلمہ "لاالٰہ الااللہ" شیاطین وطاغوتی سلاطین کے مقابلے میں امن الٰہی کا قلعہ اور انسانی معاشروں پر الٰہی تحفظ کا سایہ ہے۔ کلمہ توحید ہی کے ذریعے ہر دور میں انسان، فرعون و قارون جیسے طاغوتوں کے مقابلے میں قیام اور وقت کے یزیدیوں کو شکست سے دوچار کرتا رہا ہے۔

دوسری طرف یہ بات بھی مسلم ہے کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی ذوات مقدسہ راسخون فی العلم ہیں۔ چنانچہ ان کا علم لدنی کسی بھی صورت چراغ توحید کو بجھنے نہیں دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان ہستیوں نے رسول اللہ ﷺ کے جانشین ہونے کے ناطے اپنے اپنے دور میں کلمہ توحید کی پاسداری کا حق ادا کیا ہے اور اپنی سیرت وتعلیمات کے ذریعے علمی و عملی محاذوں پر کلمہ توحید کی سربلندی کے لئے جہاد کرتے ہوئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ اگر آج تک اُمت اسلام کے درمیان ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا وجود نہ ہوتا تو طاغوتی حکمرانوں اور مادہ پرست دانشوروں کے ذریعے الٰہی توحید کے نقوش مٹ چکے ہوتے اور شکوک و شبہات واعتراضات کے تیروں سے اُمت اسلام کی روح توحید ختم ہو چکی ہوتی۔

ائمہ اہل بیت علیہم السلام میں سے حضرت امام رضا علیہ السلام وہ ہستی ہیں جن کا زیادہ تر زمانہ عباسی خلیفہ مامون الرشید کے ساتھ گزرا ہے۔ یہ دور مختلف الحادی نظریات کے پرچار کا دوردورہ تھا۔ اس دور میں مختلف مذاہب ومسالک کے علماء کو دربار خلافت تک رسائی حاصل تھی۔ان کے ساتھ امام رضا علیہ السلام کے علمی مناظرات توحید کی معرکۃ الآراء مباحث شمار ہوتے ہیں۔ اس مقالے میں آپ کی معرفت الٰہی سے مربوط توحیدی تعلیمات کو پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

توحید کا معنیٰ و مفہوم

توحید کا لغوی معنیٰ کسی ذات کو یکتا و یگانہ شمار کرنا ہے۔ جبکہ متکلمین اور علمائے عقائد کی اصطلاح میں اس کے مختلف معانی ذکر ہوئے ہیں اور متکلمین نے اپنی اپنی روش اور علمی طریقے کے مطابق توحید کی تعریف کی ہے۔ اگرچہ سب کا مقصد اللہ تعالیٰ کی یکتائی اور یگانگی ہی کو بیان کرنا ہے، لیکن تعبیرات مختلف ہیں جن کو یہاں ذکر کرنا ضروری نہیں ہے۔ احادیث کے مطابق توحید کی چند اقسام کی جاتی ہیں جن کی شناخت و معرفت سے توحید الٰہی کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ عام طور پر متکلمین نے احادیث کی پیروی میں توحید کی بنیادی چار قسمیں ذکر کی ہیں جن کو توحید ذاتی، توحید صفاتی، توحید افعالی اور توحید عبادی کہا جاتا ہے۔ بعض علماء نے مزید گہرے معانی بیان کرتے ہوئے توحید کی کچھ اور اقسام بھی ذکر کی ہیں مثلاً: وجوب وجود میں توحید، خالقیت میں توحید، تدبیر اور ربوبیت تکوینی میں توحید، ربوبیت تشریعی میں توحید، الوہیت و معبودیت میں توحید، عبادت میں توحید، استعانت میں توحید، خوف خدا میں توحید اور رجاء و اُمید میں توحید۔ توحید کی ان اقسام کو مدّ نظر رکھتے ہوئے ہم امام رضا علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں اسلام کی توحیدی تعلیمات کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔ یقیناً ہم اس مقالے میں امام رضا علیہ السلام کی تمام توحیدی تعلیمات اور احادیث کو پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ لیکن امام علیہ السلام کی مختلف احادیث اور مناظرات سے توحید کے عنوان سے کچھ واقعات اور کلمات قصار کا انتخاب کیا گیا ہے۔

وجود خدا کا اثبات

توحیدی مباحث میں سب سے پہلے وجود خدا کی بحث کی جاتی ہے اور اثبات صانع کو مختلف ادلہ سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک شخص امام رضا علیہ السلام کی محفل میں حاضر ہوا اور کہا: اے فرزند رسولؐ! حدوث عالَم (کائنات کے وجود میں آنے) پر آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: ”أنتَ لَم تَكُنْ ثُمّ كنتَ، و قد عَلِمتَ أنّكَ لَم تُكَوِّنْ نَفْسَكَ، و لا كَوَّنَكَ مَن هُو مِثلُكَ.“[1]
تم نہیں تھے بعد میں وجود میں آئے اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تو نے خود اپنے آپ کو خلق نہیں کیا، نہ تم جیسے کسی نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ پس اس کائنات کو کسی نے خلق کیا ہے، جبکہ یہ کائنات پہلے سے نہیں تھی۔

امام علیہ السلام کے اس بیان سے بعض لوگوں کے ان تمام سوالات کا جواب مل جاتا ہے جو زندگی کے کسی نہ کسی مرحلے میں سوچتے ہیں کہ یہ کائنات کب سے ہے؟ اسے کس نے خلق کیا ہے؟ جب ان سوالات کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں تو ان کے لئے اس کائنات کے خالق اور صانع کا ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ امام علیہ السلام نے سوال کرنے والے کے ذہن میں ایسے ہی سوالات اُجاگر کئے ہیں اور اسے غور و فکر پر مجبور کیا ہے کہ وہ سوچے کہ اُسے کس نے خلق کیا ہے؟

وجود خدا کی وقت اور عدم پر سبقت

امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''سبق الاوقات کونہ و العدم وجودہ''[2] یعنی: "وہ سب زمانوں سے پہلے تھا اور اس کا وجود عدم پر سبقت رکھتا ہے۔" کیونکہ اللہ تعالی اکیلا وجود ہے اور اس کے ساتھ کسی دوسرے وجود کا تصور نہیں کیا جاسکتا تو اس بات کا صحیح ہونا ثابت ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالی، ازل سے موجود ہے، جبکہ کوئی چیز اس کے ساتھ نہیں تھی، جیسا کہ اب بھی موجود ہے اور کوئی چیز اس کے ساتھ نہیں ہے، چونکہ وجودِ محض کے وجود کے ساتھ کسی اور وجود کا اس کے رتبہ میں موجود ہونا بالکل ناممکن ہے، لیکن خداوند متعال ہر چیز کے ساتھ ہے، جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ (57-4) ترجمہ: ''اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی رہو۔''

کیونکہ ان دو چیزوں کی معیّت کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ جن کا کسی تیسری چیز سے موازنہ ہو، جس میں دونوں مشترکہ ہیں اور اس تیسری چیز کے بغیر، دو چیزوں کی معیت بے معنی ہے، کیونکہ دو چیزوں کے آپس میں موازنہ کے لئے کوئی معیار نہیں پایا جاتا، نیز ایک چیز کا دوسری چیز سے پہلے ہونا تب صحیح ہے جب ان دونوں کا تیسری چیز سے موازنہ ہو، مثلاً جب کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت، ہجرت سے پہلے ہے، تو یہ کہنا تب صحیح ہے جب ان دونوں کا ایک مشترک چیز مثلاً آنحضرتؐ کی حیات سے موازنہ کیا جائے۔ اگر دو چیزوں کا کوئی مشترکہ نقطہ نہ ہو تو ان کے درمیان معیت اور قبل یا بعد میں ہونا ناقابل تصور ہوگا۔

ثنویت کی نفی

ثَنَوِّیت، کلامی موضوعات میں سے ہے جس کا معنی کائنات میں دوخداؤں (دو خالق ومُدَبِّر) پر اعتقاد رکھنا ہے۔ یہ عقیدہ اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔ مذہبی منابع میں بھی اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ ثنویت کی مختلف اقسام ذکر کی جاتی ہیں اور اس کے بہت سے فرقے پائے جاتے ہیں۔ مثلاً مانویہ، دیصانیہ وغیرہ اس کے مشہور فرقے ہیں اور ابن اَبِي العَوجاء، ابوشاکر دیصانی و ابن طالوت وغیرہ ثنویت کے سرکردہ لوگ شمار ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ائمہ اطہار علیہم السلام کے زمانے میں بھی موجود تھے اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے ساتھ ان کے مناظرات بھی کتب تاریخ میں موجود ہیں۔

ایک آدمی جو ثنوی تھا اور دو خداوں کا قائل تھا، اس نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے عرض کیا: میرا عقیدہ ہے کہ کائنات کے صانع اور بنانے والے، دو خدا ہیں، تو آپ کے نزدیک خالق کائنات کی وحدانیت پر کیا دلیل ہے؟ حضرت امام رضا (علیہ السلام) نے فرمایا: "قولك: إنه اثنان دليل على أنه واحد، لانك لم تدع الثاني إلا

بعد إثباتك الواحد، فالواحد مجمع عليه، وأكثر من واحد مختلف فيه"[3] یعنی: "تمہاری یہ بات (کہ کائنات کو بنانے والے دو خدا ہیں)، اس بات کی دلیل ہے کہ (کائنات کا بنانے والا) ایک ہے، کیونکہ تم دوسرے کے دعویدار نہیں ہو مگر پہلے کو ثابت کرنے کے بعد (یعنی تم دوسرے بنانے والے کے دعویدار تب ہو جب پہلے کو مانتے ہو) لہٰذا پہلے (بنانے والے) پر سب کا اتفاق ہے، لیکن ایک سے زیادہ پر اختلاف ہے (اور جس کے وجود پر اختلاف ہو، اس کا وجود ہر گز یقینی نہیں ہے جبکہ دوسرے بنانے والے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے)۔"

اثبات حق کے لئے استدلال کا طریقہ

حضرت امام رضا علیہ السلام کے خادم محمّد بن عبد اللہ خراسانی سے منقول ہے کہ ایک دن ایک زندیق (دہریہ) حضرت امام رضا علیہ السلام کے پاس آیا اس کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی موجود تھے۔" "فَقَالَ لَهُ أَبُو الْحَسَنِ ع أَ رَأَيْتَ إِنْ كَانَ الْقَوْلُ قَوْلَكُمْ وَ لَيْسَ هُوَ كَمَا تَقُولُونَ أَلَسْنَا وَإِيَّاكُمْ شرع سواه۔۔۔الخ" امامؑ نے اس سے فرمایا: "اے شخص! جو کچھ تم لوگ کہتے ہو اگر وہی ٹھیک ہوا (یعنی کوئی عالم کا پیدا کرنے والا نہیں ہے) تو کیا ہم دونوں (میں اور تم) برابر نہ رہیں گے؟ اور جو نماز، روزے، زکوٰۃ اور اقرار توحید ہم کرتے ہیں ان سے ہمیں نقصان نہ پہنچے گا (زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ یہ نماز، روزے ایک فعل عبث قرار پائیں گے مگر چونکہ کوئی پرستش کرنے والا نہ ہوگا لہٰذا ہمیں اس کی بھی کچھ پرواہ نہ ہوگی کہ ہم نے کوئی فائدہ حاصل کیا یا عبث کیا) اس لحاظ سے ہم اور تم دونوں برابر ہی رہیں گے۔ (یہ سن کر وہ زندیق چپ رہا)۔ پھر آپؑ نے فرمایا: "اگر وہ ہوا جو ہم لوگ کہتے ہیں اور وہی ٹھیک بھی ہے جو ہم کہتے ہیں تو کیا تم تباہ و برباد نہ ہو جاؤ گے اور ہم بچ نہ جائیں گے؟" (کیونکہ تم نے تو اس کے وجود کو مانا ہی نہیں تھا، اس لئے تم نے نہ تو اس کا اقرار کیا اور نہ اس کی عبادت کی اور اب معلوم ہوا کہ وہ موجود ہے تو بتاؤ کہ تمہارا کیا حشر ہوگا۔ اب رہے ہم، تو ہم نے تو اس کی عبادت بھی کی تھی، اس کی توحید و قدرت کا اقرار بھی کرتے تھے، اس صورت میں ہمارے ساتھ وہ ضرور نیک برتاؤ کرے گا، لہٰذا تم تباہ ہو جاؤ گے اور ہم نجات پا جائیں گے) قَالَ رَحِمَكَ اللهُ فَأَوْجِدْنِي كَيْفَ هُوَ وَ أَيْنَ هُوَ یہ سن کر زندیق کہنے لگا: "خدا آپؑ کا بھلا کرے، آپؑ مجھے یہ بتائیں کہ آخر وہ کیونکر ہے اور کہاں ہے؟" اس سوال کے جواب میں امام رضا علیہ السلام کی توحید ست لبریز گفتگو کو درج ذیل نمایاں عنوانات کے تحت پیش کیا جا سکتا ہے:

1. زمان ومکان اور کیفیات سے ماوراء ذات

آپؑ نے فرمایا: قَالَ وَيْلَكَ إِنَّ الَّذِي ذَهَبْتَ إِلَيْهِ غَلَطٌ۔۔۔الخ یعنی: " تجھ پر افسوس ہے! جو تو نے خیال کیا ہے وہ غلط ہے اسی نے تو جگہ اور مکان بنایا ہے۔ وہ تو اس وقت بھی تھا جبکہ کوئی جگہ موجود نہ تھی۔اسی نے تو کیفیتوں کو پیدا کیا ہے، وہ تو اس وقت بھی موجود تھا جب کوئی کیفیت موجود نہ تھی (پھر اس میں کیفیت کیونکر ہوگی اور اس کی جگہ کہاں ہوگی) وہ کسی کیفیت یا کسی مکان کے ذریعے سے نہیں پہچانا جاتا اور نہ اس کا قیاس کسی چیز پر ہو سکتا ہے۔"

2. حواس سے ماوراء ذات

یہ سن کر زندیق کہنے لگا: فَإِذاً إِنَّهُ لَا شَيْءَ إِذَا لَمْ يُدْرَكْ بِحَاسَّةٍ مِنَ ۔۔۔الخ یعنی: "اس نے کہا: پھر تو وہ کچھ بھی نہ ہوا کیونکہ جو کسی حاسہ سے محسوس ہی نہ ہو سکتا ہو تو اس کا وجود ہی کب ہو سکتا ہے؟" آپؑ نے فرمایا: "افسوس! جب تمہارے حواس اس سے عاجز ہوئے تو تم اس کی خدائی اور اس کے وجود کا انکار کرنے لگے اور جب ہمارے حواس اس کے ادراک سے عاجز ہوئے تو ہمیں اس بات کا یقین ہوا کہ وہی ہمارا رب ہے اور وہی ایک ایسا وجود ہے جو تمام چیزوں سے جدا ہے۔" اس نے کہا: اچھا یہ بتائیں کہ وہ کب تھا یعنی کب سے موجود ہے؟ آپؑ نے فرمایا: "تم پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ وہ کب نہ تھا تو میں تمہیں بتاؤں گا کہ وہ کب سے ہے۔"

3. دائم ذات

زندیق نے کہا: قَالَ الرَّجُلُ فَمَا الدَّلِيلُ عَلَيْهِ یعنی: "اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہے؟ قَالَ أَبُو الْحَسَنِ إِنِّي لَمَّا نَظَرْتُ إِلَى جَسَدِي فَلَمْ يُمْكِنِّي زِيَادَةٌ وَلَا نُقْصَانٌ۔۔۔الخ آپؑ نے فرمایا: "جب میں نے اپنے جسم کو دیکھا تو اسے ایسا پایا کہ مجھ کو اس میں کچھ کمی زیادتی طول وعرض میں نظر نہ آئی اور نہ میں اس جسم میں سے تکالیف کو دور کر سکتا ہوں اور نہ بطور خود کوئی فائدہ مند چیز اس تک لا سکتا ہوں، اس سے میں نے جانا کہ اس جسم کی عمارت کا کوئی معمار بھی ہے، اسی لئے میں نے اس کا اقرار بھی کیا اور اس کے وجود کو بھی تسلیم کر لیا۔علاوہ ازیں اس کی قدرت سے افلاک کی گردش اور بادلوں کی پیدائش، ہواؤں کا چلنا، آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کی حرکت جیسی عجیب آیات دیکھتا ہوں تو ان سب کو دیکھ کر مجھے یقین ہوتا ہے کہ ان سب کا کوئی نہ کوئی تقدیر ساز اور پیدا کرنے والا ہے۔"

4. آنکھوں سے اوجھل

زندیق نے کہا: قَالَ الرَّجُلُ فَلِمَ احۡتَجَبَ یعنی: "تو وہ چھپا ہوا کیوں بیٹھا ہے؟ فَقَالَ أَبُو الْحَسَنِ إِنَّ الْحِجَابَ عَلَى الْخَلْقِ ۔۔۔الخ آپؑ نے فرمایا: "مخلوقات پر جو پردہ پڑا ہوا ہے وہ ان کے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے ہے (یعنی آدمی اس کو اس لئے نہیں دیکھ سکتے کہ ان کے دل کی آنکھیں گناہوں کی وجہ سے اندھی ہو چکی ہیں ورنہ جو لوگ صاحبان ایمان و تقویٰ ہیں تو ان کی دل کی آنکھیں نور الٰہی کے جلوہ کا ہر وقت مشاہدہ کرتی ہیں) رہا وہ خود تو اس پر کوئی چیز بھی رات اور دن کی گھڑیوں میں پوشیدہ نہیں ہے۔" اس (زندیق) نے کہا: قَالَ فَلِمَ لَا یُدۡرِکُہُ حَاسَّةُ الْأَبۡصَارِ یعنی: آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ آنکھیں اسے کیوں نہیں دیکھ سکتیں؟ آپؑ نے فرمایا: "وہ اس سے بالاتر ہے کہ اس کو کوئی آنکھ دیکھ سکے یا کوئی خیال اس کا احاطہ کرسکے یا کوئی عقل اس کو سمجھ سکے۔"

5. لامحدود ہستی

اس نے کہا: قَالَ فَحُدَّہُ لِی یعنی: اچھا تو آپؑ اس کی تعریف (اس کے اجزائے اصلیہ) مجھ سے بیان کریں۔ تو آپؑ نے فرمایا: قَالَ لَا حَدَّ لَہُ یعنی: "اس کے لئے کوئی حد نہیں ہے۔" [1] یہ سن کر زندیق نے کہا: قَالَ وَ لِمَ ایسا کیونکر ہے؟ آپؑ نے فرمایا: قَالَ لِأَنَّ کُلَّ مَحۡدُودٍ مُتَنَاهٍ إِلَى حَدٍّ ۔۔۔الخ یعنی: "یہ اس لئے کہ ہر محدود کی ایک انتہا ہوتی ہے اور جب وہ محل تحدید ہوا تو اس میں زیادتی کا احتمال ہوگا اور جب زیادتی کا احتمال ہو تو پھر کمی کا احتمال بھی ہوگا (حالانکہ اس کی ذات میں کمی اور زیادتی کا احتمال ناممکن ہے) لہٰذا نہ وہ محدود ہے نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے اور نہ اس کے اجزا علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔" (یعنی نہ اس میں اجزا ہیں جن کو الگ الگ کرکے سمجھا جائے اور نہ وہ وہم و خیال میں آتا ہے)

6. لطیف، سمیع، بصیر، علیم اور حکیم کا معنیٰ

اس نے کہا: قَالَ الرَّجُلُ فَأَخۡبِرۡنِی عَنۡ قَوۡلِکُمۡ إِنَّہُ لَطِیفٌ ۔۔۔الخ یعنی: آپؑ جو اس کو لطیف، سمیع، بصیر، علیم اور حکیم کہتے ہیں اس کے کیا معنی ہیں؟ کیا بغیر کان کے بھی کوئی سمیع ہو سکتا ہے، کیا بغیر آنکھ کے بھی

---

1 ۔ یاد رہے یہاں "حد" سے مراد منطقی حدّ ہے جس کو اہل منطق جنس و فصل سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر چیز کے لئے ایک جنس قریب ہوتی ہے اور ایک فصل قریب ہوتی ہے اور وہی اس کے اجزائے اصلیہ ہوتے ہیں، ان سے مرکب شدہ مفہوم کا نام "حد" ہے اور جس کی حد بیان کی جائے اسے محدود اور نوع حقیقی کہا جاتا ہے۔

کوئی بصیر ہو سکتا ہے، کیا بغیر ہاتھوں سے کام لیے بھی کوئی لطیف ہو سکتا ہے، اور کیا بغیر صناعی کے بھی کوئی حکیم ہو سکتا ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: فَقَالَ أَبُو الْحَسَنِ ع إِنَّ اللَّطِيفَ مِنَّا عَلَى حَدِّ اتِّخَاذِ الصَّنْعَةِ۔۔۔الخ یعنی: ”ہم انسانوں میں جس کو لطیف کہا جاتا ہے وہ اس کی کاریگری کے مطابق ہوتا ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا جب کوئی شخص کوئی لطیف چیز بناتا ہے تو اس کے لئے کہا جاتا ہے: ” مَا اَلطَف فلانا “یعنی ”فلاں شخص نے کیا اچھی کاریگری کی۔“

جب آدمیوں کو ان کی صناعی کی وجہ سے لطیف کہتے ہیں تو خالق جلیل کو لطیف کیوں نہ کہیں، اس لئے کہ اس نے تو نہایت ہی جلیل ولطیف خلقت پیدا کی ہے، حیوانات کے اندر ان کی روحوں کو اور ہر قسم کے جاندار الگ الگ اور باہم صورتوں میں فرق رکھنے والے پیدا کئے۔ ان میں ایک دوسرے سے مشابہ نہیں ہوتا۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ لطیف وخبیر خالق نے ہر ایک کی صورت ترکیبی میں باریک بینی صرف کی ہے۔ (ہم اس وجہ سے اس کو لطیف کہتے ہیں کہ اس نے اپنے ہاتھوں سے نہیں بنایا بلکہ محض اپنے حکم سے پیدا کیا ہے) پھر ہم نے درختوں اور ان کے پاکیزہ خوردنی پھلوں کو دیکھا تو اس وقت ہم نے کہا کہ ہمارا خالق لطیف ہے مگر وہ اس معنی میں لطیف نہیں ہے جو مخلوقات کے لئے ان کی صفت میں باریکی بروئے کار لانے کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

اور ہم کہتے ہیں کہ وہ سمیع ہے کیونکہ اس پر اس کی مخلوقات کی کوئی آواز خواہ وہ تحت الثریٰ سے اٹھ رہی ہو یا عرش سے بلند ہو رہی ہو، مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔ آواز دینے والی خواہ چیونٹی ہو یا اس سے بڑی چیز، خشکی میں ہو یا دریا میں، وہ سب کی آوازیں سنتا ہے اور اس پر زبانیں اور لغات مشتبہ نہیں ہوتیں۔ جب ہم نے اس کی قدرت کا یہ نظارہ دیکھا تو ہم نے بے ساختہ کہا: ”وہ سمیع ہے، وہ سنتا ہے مگر کانوں سے نہیں۔ اور ہم کہتے ہیں وہ بصیر ہے یعنی وہ دیکھنے والا ہے مگر حاسہء چشم سے نہیں وہ اتنا بڑا بصیر ہے کہ وہ سیاہ چیونٹی کے نشان کو بھی اندھیری رات میں سیاہ پتھر پر دیکھ لیتا ہے اور وہ اس کے منافع اور مضرات کو بھی جانتا ہے اور اس کے جفتی کے اثر اور اس کے بچے اور نسل کو بھی جانتا ہے۔ جب ہم نے اس کی یہ شان ملاحظہ کی تو ہم نے کہا: ”وہ بصیر ہے مگر اس طرح سے نہیں جیسے اس کی مخلوقات کسی چیز کو دیکھتی ہے۔ راوی کہتے ہیں: ”وہ شخص (زندیق) وہاں سے جدا نہ ہوا یہاں تک کہ مسلمان ہو گیا۔“[4]

توحید ذاتی

توحید ذاتی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اس کی ذات میں ترکیب ہے اور نہ ہی کوئی اور خدا اس کی ذات کے باہر موجود ہے۔ اس بارے میں امام رضا علیہ السلام کی ایک حدیث ہے: عَنِ الْفَتْحِ بْنِ يَزِيدَ الْجُرْجَانِيِّ قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ فِي اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ هُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ... الخ یعنی : "فتح بن یزید جرجانی کہتا ہے: میں نے امام رضا (علیہ السلام) سے سنا کہ آپ نے خداوند متعال کے بارے فرمایا: وہ لطیف و خبیر ہے؛ سننے والا اور دیکھنے والا ہے؛ واحد و اَحد اور بے نیاز ہے؛ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے اور اس کا کوئی مثل و مانند نہیں۔[5]

توحید خالقیت

توحید خالقیت سے مراد یہ ہے کہ تمام مخلوق کو خداوند عالم نے خلق کیا ہے، خداوند عالم فرماتا ہے: "قُلِ اللهُ خالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَ هُوَ الْواحِدُ الْقَهَّارُ۔" (16:13) کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے اور وہی یکتا اور سب پر غالب ہے۔ خداوند عالم میں خالقیت کو منحصر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی خالقیت، مستقل اور اصیل ہے اور وہ مخلوق کو خلق کرنے میں کسی چیز پر تکیہ نہیں کرتا اور خلق کرنے کی یہ صفت صرف خداوند عالم میں پائی جاتی ہے۔ البتہ ایسی خلقت جو خدا کے ذریعہ اور اس کی مرضی سے ہو، اس کو غیر خدا بھی انجام دے سکتا ہے، اسی وجہ سے خداوند عالم نے اپنے آپ کو بہترین خلق کرنے والے کے نام سے متصف کیا ہے: "ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظاماً فَكَسَوْنَا الْعِظامَ لَحْماً ثُمَّ أَنْشَأْناهُ خَلْقاً آخَرَ فَتَبارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخالِقِينَ"۔ (14:23) پھر نطفہ کو علقہ بنایا ہے اور پھر علقہ سے مضغہ پیدا کیا ہے اور پھر مضغہ سے ہڈیاں پیدا کی ہیں اور پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا ہے پھر ہم نے اسے ایک دوسری مخلوق بنا دیا ہے۔ تو کس قدر بابرکت ہے وہ خدا جو سب سے بہتر خلق کرنے والا ہے ۔ یہاں اس آیہ مجیدہ سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی دوسرے خلق کرنے والے موجود ہیں، لیکن وہ ان سب سے بہتر ہے اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ خداوند عالم کی تخلیق ذاتی ہے، اکتسابی نہیں ہے۔[6]

لہٰذا حضرت امام رضا علیہ السلام اللہ تعالیٰ کو تمام اشیاء کا خالق قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: مُنْشِئُ الْأَشْيَاءِ وَ مُجَسِّمُ الْأَجْسَامِ وَ مُصَوِّرُ۔۔۔ الخ[7] یعنی: "اس نے تمام اشیاء کو ایجاد کیا ہے، اجسام کو جسمیّت عطا کی ہے اور صورتوں اور شکلوں کو صورت دی ہے۔ جس طرح لوگ کہتے ہیں اگر ویسا ہوتا تو خالق اور مخلوق کی پہچان نہ ہوتی اور پیدا کرنے والا اور پیدا ہونے والا ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہوتے، لیکن وہ وہی پیدا کرنے والا ہے۔ خدا اور اس چیز میں

فرق ہے جسے خدا نے شکل اور جسمیت عطا کی ہے اور جسے خلق فرمایا ہے چونکہ کوئی بھی چیز خداوند متعال جیسی نہیں ہے اور خداوند متعال بھی کسی چیز جیسا نہیں۔"

خدا کے موجود اور ایک ہونے کا معنی و مفہوم

حضرت امام علی رضا علیہ السلام خداوند تعالی کی موجودیت اور ہستی کی وضاحت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "موجود لا عن عدم"[8] یعنی: "اللہ موجود ہے، (لیکن اس کا وجود) عدم سے نہیں۔" اس جملہ کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ کا وجود ایسا نہیں جو عدم کے بعد ہو، بلکہ ازلی اور قدیم وجود ہے، کیونکہ مخلوقات، عدم سے وجود میں آئی ہیں تو ہوسکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو کہ اللہ کی ذات بھی ایسی ہی ہے جو عدم سے وجود میں آئی ہو، لیکن امام علیہ السلام کے اس معرفت الٰہی سے لبریز جملہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ کی ذات موجود ہے بغیر اس کے کہ وہ عدم سے وجود میں آئی ہو۔

اسی طرح آپ حضرت امام رضا علیہ السلام اللہ کے واحد ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں: ''واحد لا بتأویل عدد''[9] یعنی: ''اللہ واحد ہے، مگر اس کی وحدانیت عددی نہیں ہے۔'' یعنی، اللہ تعالی کی وحدانیت، عدد والی وحدت نہیں اور اللہ تعالی وہ ''ایک'' نہیں جس کے بعد ''دو'' ہوتا ہے۔ اسی طرح جب فتح بن یزید نے آپ سے پوچھا کہ: قُلْتُ أَجَلْ جَعَلَنِيَ اللهُ فِدَاكَ لَكِنَّكَ قُلْتَ الْأَحَدُ ---الخ[10] یعنی: ''میں نے کہا میں آپ پر قربان جاؤں، لیکن آپ نے فرمایا ہے ''احد وصمد ''اور اسی طرح آپ نے فرمایا ہے: وہ کسی چیز کی شبیہ نہیں ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور انسان بھی ایک ہے۔ پس وحدانیت اور ایک ہونے میں وہ ایک دوسرے کی شبیہ ہیں۔ تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

"اے فتح! تم ایک محال بات کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ تجھے ثابت قدم رکھے۔ وہ تشبیہ (کہ جس کی ہم نفی کرتے ہیں) معانی میں ہے؛ لیکن نام اور اسم سب میں ایک جیسا ہے اور مسمّٰی کو ظاہر کر رہا ہے۔ گویا ہم انسان کو ''واحد'' اور ''ایک'' جان سکتے ہیں، لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک ہی شے اور ایک جسم ہے، دو جدا چیزیں نہیں۔ لیکن خود انسان واحد حقیقی نہیں ہے کیونکہ وہ مختلف قسم کے اعضا کا مجموعہ ہے، اس کے رنگ مختلف اور بہت سے ہیں، ایک جیسے نہیں ہیں۔ انسان چند اجزا کے مجموعے کا نام ہے جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس کا خون اس کے گوشت سے مختلف ہے اور اس کا گوشت اس کے خون سے مختلف ہے۔ اس کے اعصاب اس کی رگوں سے مختلف ہیں۔ اس کے بال، اس کی جلد سے مختلف ہیں، اس کی سیاہی اس کی سفیدی سے مختلف ہے۔ دوسری مخلوقات بھی اسی طرح ہیں۔ پس انسان اسم کے لحاظ سے ''واحد'' ہے لیکن معنیٰ میں ''واحد'' نہیں ہے مگر اللہ

تعالیٰ ایک ایسا واحد ہے کہ کوئی دوسرا واحد اس کا جز نہیں ہے۔اس میں کسی قسم کا اختلاف اور فرق نہیں، اس میں زیادتی اور کمی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن انسان ایک بنائی گئی مخلوق ہے جس کے اجزا مختلف ہیں اور وہ انواع واقسام کے اجزا سے بنایا گیا ہے جس کے عناصر بکھرے ہوئے ہیں اگرچہ وہ مجموعی طور پر ایک ہی ہے۔[11]

لطیف وخبیر ہونے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ اور انسان میں فرق

اس کے بعد فتح مزید کہتے ہیں: قُلْتُ جُعِلْتُ فِدَاكَ ف۔۔۔۔الخ[12]

یعنی: "یہ تشریح سن کر (راوی فتح بن یزید) نے کہا: آپ نے میری مشکل آسان کردی ہے۔ اللہ آپ کی مشکلات آسان فرمائے اور اب جبکہ واحد کی وضاحت فرمائی ہے تو اس کے ساتھ آپ لفظ "لطیف وخبیر" کی بھی وضاحت فرمائیں۔ البتہ لطیف کے حوالے سے میں تو صرف اتنا ہی جانتا ہوں کہ اللہ کا لطف وکرم اور ہے اور مخلوق کا ایک دوسرے پر لطف وکرم اور ہے چونکہ خدا اور اس کی مخلوق میں فرق ہے۔

میری درخواست پر آپؑ نے فرمایا: خدا لطیف ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ باریک بین ہے اور باریک سے باریک چیز کا ادراک کرتا ہے۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کی صنعت وخلقت کے اثرات چھوٹے بڑے پودوں میں نہیں دیکھے؟ کیا تم نے اس کی خلقت کے اثرات کو مچھر جیسے چھوٹے سے چھوٹے حیوانات میں نہیں دیکھا کہ جن کو عام آنکھ بڑی مشکل سے دیکھتی ہے اور اُن کے چھوٹا اور باریک ہونے کی وجہ سے اُن کے نر و مادہ اور بچے اور بڑے میں فرق بھی معلوم نہیں ہوتا۔ وہ ہر چیز کے وجود اور اس کے وجود کی ضروریات سے باخبر ہے اور اس کے ساتھ اس کا ایک اور مفہوم یہ بھی ہے کہ وہ اپنی صفت میں لطیف ہے۔ یعنی اس نے جس چیز کو بھی پیدا کیا، خواہ وہ جسم میں بڑی ہے یا چھوٹی، اس نے سب کو زندہ رہنے کا سلیقہ بھی سکھایا ہے اور ہر چیز کو نسل بڑھانے اور اپنا تحفظ کرنے کے طریقے بھی بتائے ہیں، اسی لئے اس کائنات کی چھوٹی بڑی چیزیں دیکھ کر ہم کہتے ہیں کہ خدا لطیف ہے اور وہ اپنی مخلوق کے لئے کس طرح کے آلات اور وسائل کا محتاج نہیں ہے۔

امامؑ کا توحید کے بارے میں عظیم الشان خطبہ

روایت ہے کہ جب مامون نے ارادہ کیا کہ امام رضا علیہ السلام کو ولی عہدی کے لئے منصوب کیا جائے تو اس وقت امام علیہ السلام منبر پر گئے۔ تھوڑی دیر کے لئے بیٹھے اور غور کیا۔ کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد وثناء کے بعد پیغمبر ﷺ اور آلِ پیغمبر پر درود بھیجنے کے بعد جو گفتگو کی، اس کو یہاں نمایاں عنوانات کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے:

توحید، بندگی کی اساس

"أَوَّلُ عِبَادَةِ اللهِ تَعَالَى مَعْرِفَتُهُ "۔یعنی: " اللہ تعالیٰ کی پہلی عبادت، اُس کی معرفت ہے۔" یہ امام رضا علیہ السلام کے خطبے کا پہلا جملہ ہے جو امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے ایک فرمان کی یاد دلاتا ہے کہ "ما من حركة إلاّ و أنت محتاجٌ إلى معرفة"[13] یعنی؛ انسان اپنی ہر حرکت و فعل میں معرفت و شناخت کا محتاج ہے۔ عبادت کا معنی ایک لامتناہی ذات کے مقابلے میں تواضع، تذلل اور اظہار عاجزی ہے اور یہ بھی ایک فعل وحرکت ہے جو اس اصول و قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں۔ کیا یہ بات عقل ومنطق کے مطابق نہیں کہ انسان کسی ہستی کے سامنے اظہار عاجزی وتواضع کرنے سے پہلے اس کی معرفت وپہچان حاصل کرے؟ کیا ہم کسی ایسی ذات کے مطیع اور فرمانبردار بن سکتے ہیں جس کو پہچانتے ہی نہیں؟

اللہ تعالیٰ کی معرفت وشناخت جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر اس کی عبادت کا معیار بھی بلند ہوگا اور وہ ایک پائیدار عبادت شمار ہوگی۔ بامعرفت عبادت انسان کو یقین کی منزل تک پہنچادیتی ہے جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے " وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ "یعنی؛اپنے رب کی اتنی عبادت کرو کہ تمہیں یقین حاصل ہو جائے۔ (99:15) خدا کی معرفت وشناخت کا اہم ترین مرحلہ اس کی توحید (اسے یکتا جاننا) ہے۔ اس جملے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم سمجھیں "خدا ایک ہے" بلکہ اس کا مطلب اس بات کا گہرا ادراک ہے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی شے موجود نہیں ہے اور جو کچھ بھی ہے اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا امام فرماتے ہیں: " وَأَصْلُ مَعْرِفَةِ اللهِ تَوْحِيدُهُ " یعنی: "اور خدا کی معرفت کی بنیاد اُس کی توحید ہے"۔

کمال توحید اور صفات کی نفی کا معنیٰ

کلمہ "نظم" اس وقت استعمال ہوتا ہے کہ جب کسی چیز کے اجزاء اور مراتب کے درمیان ایک صحیح ترتیب برقرار ہو۔ اگر ایسا نظم ایک دائمی اور ابدی قانون کی صورت میں برقرار رہے تو اس کا اطلاق اس منظّم مجموعی نظام پر بھی ہوتا ہے۔ اب اس عبارت " نظام توحيد الله تعالى " سے بخوبی پتا چلتا ہے کہ توحید ایک حقیقی اور قانونی قاعدہ واصول ہے۔ لہٰذا امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: " وَنِظَامُ تَوْحِيدِ اللهِ تَعَالَى نَفْيُ الصِّفَاتِ عَنْهُ ۔۔ ۔الخ " یعنی: "اور اس کی توحید کا نظام اس سے صفات کی نفی ہے کیونکہ عقول گواہی دیتی ہیں کہ ہر صفت وموصوف مخلوق ہیں اور ہر موصوف اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اس کا کوئی نہ کوئی خالق ہے اور وہ خالق نہ صفت ہے اور نہ ہی موصوف ہے۔ صفت و موصوف دونوں ایک دوسرے کے ساتھ

ہونے کی گواہی دیتے ہیں اور ساتھ ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ حادث ہے اور حدوث سے پتا چلتا ہے کہ وہ ازلی نہیں ہے اور وہ حدوث سے منزہ نہیں ہے۔ پس وہ اللہ نہیں ہو سکتا۔

توحید کا عروج اس وقت ہوتا ہے کہ جب ہم ذات الٰہی کے اس مرتبے کی شہادت دیں کہ جب وہ کسی اسم و صفت کے ہمراہ نہ ہو۔ یا سادہ تر الفاظ میں ہم اس طرح کہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں ہر قسم کی تجلی اور ظہور سے پہلے کسی قسم کی صفت نہیں رکھتا۔ وہ ایک لامحدود ذات ہے اور اپنی ذات کی حد تک کسی ایسی صفت کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا جو اسے "محدود" کردے، اسی لئے اس وقت اسے توصیف نہیں کیا جاسکتا چونکہ کسی چیز کی توصیف اور تعریف کرنا گویا اس کی حدود کا متعین کرنا ہے جبکہ اللہ کی ذات لامحدود ہے۔ اسی لئے علی علیہ السلام نہج البلاغہ کے پہلے خطبے میں فرماتے ہیں "کمال الإخلاصِ لَهُ نفی الصفات عنه" یعنی توحید خالص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بغیر کسی صفت کے پہچانیں۔

تشبیہ

علم کلام کی اصطلاح میں "تشبیہ" سے مراد اللہ تعالیٰ کو ذات اور صفات میں مخلوقات جیسا قرار دینا یا مخلوق کی صفات کو خالق کے ساتھ نسبت دینا ہے۔ اس کے مقابلے میں "تنزیہ" ہے جس سے مراد اللہ تعالیٰ کا مخلوقات سے منزہ ہونا اور خالق سے مخلوقات کی صفات کی نفی کرنا۔ قرآن اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کی واضح تعلیمات میں خدا کے لئے "تشبیہ" کے عقیدے کی نفی کی گئی ہے اور واضح حکم ہے کہ خدا کی کسی مثل، شبیہ اور نظیر کے قائل نہ بنو: فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْأَمْثَالَ۔ کیونکہ خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے: إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ (74:16)

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ "فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْأَمْثَال" زمانہ جاہلیت کے مشرکین کی ایک منطق کی طرف اشارہ ہے وہ کہتے تھے کہ اگر ہم بتوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اس لائق نہیں کہ خدا کی پرستش کریں، لہٰذا ہمیں بتوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے کہ جو اس کے مقرب بارگاہ ہیں۔ خدا ایک عظیم شہنشاہ کی طرح ہے کہ صرف وزراء اور خواص ہی اس سے رابطہ کر سکتے ہیں اور عام لوگ جن کی اس بادشاہ تک رسائی نہیں وہ تو بادشاہ کے قریبی خواص اور مقربین کا دامن تھام لیتے ہیں۔

اس قسم کی قبیح اور غلط منطق بہت خطرناک ہے جس کے ہمارے زمانے کے بعض مشرکین بھی قائل ہیں اور گمراہ کن انداز میں اس منطق کو پیش کیا جاتا ہے۔ قرآن ان کے جواب میں کہتا ہے: خدا کے لئے مثالیں بیان نہ کرو۔ یعنی ایسی مثال اس کے لئے پیش نہ کرو جو محدود افکار اور ممکن موجودات کے حوالے سے ہو اور نقائص سے معمور ہو کیونکہ ایسی مثال اس سے مناسبت نہیں رکھتی تو اگر اس امر کی طرف توجہ رکھتے کہ تمام موجودات اللہ کے

احاطہء وجودی میں ہیں اور اس کی غیر متناہی لطف و رحمت کے سائے میں ہیں اور وہ خود تم سے تمہاری نسبت زیادہ نزدیک ہے تو کبھی بھی واسطوں اور وسائل کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔

وہ خدا جو براہ راست خود سے راز و نیاز اور گفتگو کی دعوت دیتا ہے اور جس نے اپنے گھر کے دروازے شب و روز تمہارے لئے کھول رکھے ہیں اسے کسی جابر و متکبر بادشاہ سے تشبیہ نہیں دینا چاہیے، کیونکہ یہ بادشاہ تو محل نشین رہتے ہیں اور گنتی کے چند افراد کے سوا کوئی ان کے محل میں نہیں جا سکتا۔ صفات خدا کی بحثوں میں ہمیں اس نکتے کی طرف خصوصی طور پر متوجہ رہنا چاہیے کہ صفات الٰہی کی شناخت کی راہ میں تشبیہ کا مسئلہ نہایت خطرناک ہے۔ یعنی اس کی صفات کو بندوں پر قیاس کرنا اور ان سے مشابہ قرار دینا کیونکہ خدا ہر لحاظ سے ایک لامتناہی وجود ہے اور دوسری مخلوقات محدود وجود ہیں لہٰذا ہر قسم کی تشبیہ و تمثیل ہمیں اس کی ذات سے دور لے جائے گی۔

یہاں تک کہ جہاں ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس کی ذات مقدس کو نور یا اس قسم کی چیز کے ساتھ تشبیہ دیں وہاں بھی ہمیں متوجہ رہنا چاہیے کہ ایسی تشبیہات بہر حال ناقص اور نارسا ہیں اور صرف کسی ایک پہلو سے قابل قبول ہیں نہ کہ ہر پہلو سے۔ جبکہ بہت سے لوگ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور زیادہ تر تشبیہ و قیاس کی گمراہ کن وادیوں میں گر جاتے ہیں اور حقیقتِ توحید سے بہت دور جا پڑتے ہیں لہٰذا قرآن بار بار بیدار کرتا ہے اور تنبیہ کرتا ہے کبھی کہتا ہے: وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ترجمہ: "کوئی چیز اس کے ہم پلہ اور اس کی مثل نہیں۔" (4:112) کبھی کہتا ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ترجمہ: "کوئی شے اس کی مانند و مثل نہیں ہے۔" (11:42)

اس کے ساتھ ہی ہمارا عقیدہ یہ بھی ہے کہ جس طرح سے (تعطیل کا عقیدہ) یعنی خداوند عالم اور اسکی صفات کی شناخت و معرفت کا ادراک حاصل کر لینے سے انکار صحیح نہیں ہے، اسی طرح سے تشبیہ کے عقیدہ کا قائل ہونا بھی غلط اور شرک آلود ہے، یعنی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس ذات پاک کو بالکل نہیں پہچان سکتے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کا ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں ہے، جیسا کہ اسے مخلوقات سے تشبیہ نہیں دے سکتے۔ ایک راہ افراط پر منتہی ہوئی ہے تو دوسری تفریط پر۔ اس نکتہ پر توجہ ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے عقیدۂ تشبیہ کی نفی تمام معصومین علیہم السلام کی جانب سے کی گئی ہے۔[14] حضرت امام رضا علیہ السلام کی بھی بہت سی احادیث میں اس قبیح عقیدہ کا رد کیا گیا ہے:

تشبیہ و جسمانیت خدا کی نفی

نفی تشبیہ کے بارے میں ایک اور مقام پر امام علیہ السلام نے فرمایا: "جس نے اللہ کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دی وہ مشرک ہے[15] اور جس نے اللہ کی طرف اس چیز کی نسبت دی جس سے اس نے منع کیا ہے وہ کافر ہے۔[16]

نیز ایک دوسری جگہ امام علیہ السلام فرماتے ہیں جو اپنی رائے سے کلام اللہ کی تفسیر کرے اور خدا کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دے اس نے خدا کو پہچانا ہی نہیں۔ اے خدایا میں ان سے بیزار ہوں جنہوں نے تشبیہ کے ذریعے تیری جستجو کی۔[17]

تشبیہ کے ذریعے اللہ کی معرفت، معرفت نہیں

"مَنْ عَرَفَ بِالتَّشْبِيهِ ذَاتَهُ وَ ---الخ یعنی: "جس نے خدا کو تشبیہ کے ساتھ جاننے کی کوشش کی تو دراصل اُس نے اللہ کو جانا ہی نہیں۔ جو خدا کو اُس کی کنہ حقیقت کے ساتھ جاننا چاہے، اُس نے خدا کو ایک نہیں جانا۔ جو کوئی خدا کے لئے مثال پیش کرے، وہ خدا کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ جو اُس کی غایت کا تصور کرے، اُس نے اُس کی تصدیق نہیں کی۔ جس نے اُس کی طرف اشارہ کیا، اُس نے اُس کا ارادہ نہیں کیا۔ " ان جملوں میں امام رضا علیہ السلام انسان کی اندرونی حالت (تشبیہ، تبعیض اور توہم) کو پروردگار عالم کی شناخت اور معرفت کے آلات و سائل کے طور پر ناقص قرار دیتے ہیں، کیونکہ جو شخص توحید کی گہرائیوں سے آشنا نہیں ہوگا وہ یقیناً ان تین حالتوں (تشبیہ، تبعیض اور توہم) میں گرفتار ہو جائے گا۔امام علیہ السلام کے یہ جملے ہمارے لئے توحید حقیقی کے ادراک کے لئے چراغ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ انسان کی یہ اندرونی کیفیات اسے توحید حقیقی سے دور کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں اور ان سے بچنا ہر حقیقی موحد کے لئے ضروری ہے۔

باالفاظ دیگر ان جملوں میں امام رضا علیہ السلام کے کلام کا اعجاز واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے یہ ایک ایسا خطبہ ہے کہ جو بغیر کسی پیشگی تیاری کے دیا گیا ہے اور وہ بھی توحید جیسے سخت ترین موضوع پر۔ لہٰذا یہ امام معصوم ہی ہیں کہ جو اس معجزہ نما کلام میں مختلف مناسبتوں کو ایک ساتھ بیان کر رہے ہیں۔ ان متضاد مناسبتوں میں غور کیجئے کہ جن میں "معرفت" کے ساتھ "تشبیہ" کو لایا گیا ہے اور" توحید" کے ساتھ "اکتناہ" (کسی چیز کی کنہ ذات تک پہنچنے) کو رکھا گیا ہے، "حقیقت کے ادراک" کے ساتھ "تمثیل" (مثال پیش کرنے) کو اور "تصدیق" کے ساتھ "تنھیہ" (کسی چیز کی غایت تک پہنچنے) کو لایا گیا ہے۔

اللہ کے لئے کوئی ابتدا نہیں

وَ ابْتِدَاؤُهُ إِيَّاهُمْ دَلِيلُهُمْ عَلَى أَنْ لَا ---الخ یعنی: "خدا کا خلق کرنے میں ابتداء کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ خدا کے لئے ابتداء نہیں ہے کیونکہ جس کے لئے ابتداء ہو، وہ اس سے عاجز ہوتا ہے کہ کسی اور شے کی ابتدء کر سکے۔" اس ارشاد کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مطلق اور لامحدود ہستی ہے اور کسی نے بھی اُسے خلق نہیں کیا۔ بالفرض اگر ہم قبول کر بھی لیں کہ اُسے بھی کسی نے خلق کیا ہے تو وہ اپنی خلقت میں غیر کا محتاج ہو جائے گا اور جو غیر کا

محتاج ہو وہ بطور مستقل کسی اور کو خلق نہیں کر سکتا۔ پس جب تمام مخلوقات ایک ابتداء وآغاز رکھتی ہیں تو وہ اپنے وجود اور حیات کے آغاز کے لئے ایک ایسے خالق سے وابستہ ہیں کہ جس کے لئے کوئی آغاز وابتداء نہیں ہے اور وہ اپنے وجود میں ہر گز کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہے۔

اسباب وآلات سے بے نیاز ذات

آپ علیہ السلام نے فرمایا: وَ أدوات أَدْوُهُ إِيَّاهُمْ دليلهم (دَلِيلٌ) عَلَى أَنْ لَا أَدَوَاتَ ۔۔۔ الخ یعنی: "خدا کا مخلوق کو آلات و اسباب (اعضاوجوارح) دینا اس بات کی دلیل ہے کہ خدا میں اسباب وآلات (اعضاوجوارح) نہیں ہیں، کیونکہ آلات واسباب (اعضاوجوارح) مادی چیزوں کے محتاج ہونے کی دلیل ہیں۔"

یعنی لامحدود و مطلق ہستی کسی اور چیز کی محتاج نہیں ہو سکتی کیونکہ کسی چیز کا محتاج ہونا عین فقر او محدودیت کی دلیل ہے۔ مخلوقات میں مختلف وسائل وآلات (اعضاوجوارح) کی ضرورت اُن کے محدود اور محتاج ہونے کی علامت ہے جبکہ مطلق اور لامحدود ذات کو ان چیزوں کا محتاج ہونا اُس کے مطلق اور لامحدود ہونے کے منافی ہے۔ لہٰذا اُس نے اپنی مخلوقات کو ان وسائل وآلات کا محتاج بنا کر واضح کر دیا ہے کہ اُن کا خالق کسی مخلوق کا محتاج نہیں ہے۔

خدا کے لئے وقت، کیفیت کے تعین کی نفی

اسی خطبے میں امام رضا علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے لئے وقت و کیفیت کی نفی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وَ مَنْ قَالَ كَيْفَ فَقَدْ شَبَّهَهُ وَ مَنْ قَالَ لِمَ فَقَدْ عَلَّلَهُ ۔۔۔ الخ یعنی: "جو یہ کہتا ہے کہ خدا کیسا ہے، اُس نے تشبیہ دی اور جو یہ کہتا ہے کہ خدا اس طرح کا ہے، وہ اس کے لئے علت و وجہ ڈھونڈنے کے درپے ہو گیا۔ جو یہ کہے کہ خدا کس زمانے میں وجود میں آیا، اُس نے اُسے زمانے کے ساتھ محدود کر دیا۔ جو یہ کہتا ہے کہ خدا کس میں ہے، اُس نے اُسے کسی چیز کے اندر فرض کیا۔ جو یہ کہتا ہے کہ خدا کس وقت تک ہے، اُس نے اُس کے لئے انتہا فرض کی۔ جو یہ کہتا ہے کہ وہ کس وقت تک ہے، اُس نے اُسے وقت کے ساتھ محدود کر دیا اور اُس کے لئے انتہا فرض کی۔ وہ اس کے لئے مدت کا قائل ہوا"۔

اس عبارت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب ہم ایک لامحدود وجود مطلق کے سامنے اپنے آپ کو کھڑا پاتے ہیں تو عقل سلیم کا حکم یہ ہے کہ اُس حقیقت مطلق کی معرفت میں اپنے عجز کا اظہار کریں اور اپنی ناتوانی کا اعتراف کریں، چونکہ اُس ذات مقدس کی معرفت مادیات میں ڈوبے ہوئے انسانوں کے لئے ناممکن ہے۔ جب پیغمبر اکرم ﷺ جو کہ خدا کے سب سے بڑے پیغمبر ہیں، ایک مشہور حدیث کے مطابق خداوند عالم کی معرفت سے عاجزی کا اظہار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: "ما عرفناك حق معرفتك"۔[18] یعنی: "تو دوسرے لوگ کس طرح اس کی معرفت کا دعوی کر سکتے ہیں؟" اور

جب انسان اس کی معرفت سے عاجز ہو تو پھر کس طرح اس کی حمد و ثناء کا حق ادا کر سکتا ہے؟ اس بناء پر ہماری "حمد" کی سب سے زیادہ حد یہی ہے جو مولا نے ارشاد فرمائی ہے، یعنی اس کی حمد و ثنا کے مقابلہ میں عاجزی اور ناتوانی کا اظہار کرنا اور اس بات کا اعتراف کرنا کہ کسی بھی بولنے والے کی مجال میں اس کی مدح تک رسائی نہیں ہے۔

اللہ کے لئے مدت کے قائل ہونے کی نفی

آپ علیہ السلام نے فرمایا: وَمَنْ غَايَاهُ فَقَدْ جَزَّأَهُ۔۔۔ یعنی: "جو اُس کے لئے مدت کا قائل ہوا، اُس نے اُس کا تجزیہ (تقسیم) کر دیا ہے اور جس نے اُس کا تجزیہ (تقسیم) کیا، اُس نے اُس کا وصف بیان کیا۔ جس نے اُس کی توصیف کرنے کی کوشش کی اس نے اسے اور چیزوں کی مانند قرار دیا، جس نے ایسا کیا وہ حق کے راستہ سے منحرف ہوا اور کافر ہو گیا۔" اللہ تعالیٰ جیسی ذات مطلق کے لئے مدت کا قائل ہونا، اُسے (زمان) میں محدود کرنے کے مترادف ہے اور کسی چیز کا محدود ہونا اس کے اجزا میں منقسم ہونے کی علامت ہے جب کوئی چیز محدود اور قابل تجزیہ ہو گئی تو وہ تعریف توصیف کے قابل ہو جائے گی اور عقل و فکر کی حدود میں آ جائے گی اور جو عقل و فکر میں آ جائے وہ وجود لامحدود نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جو بھی اللہ کی ذات کے بارے اس قسم کا اعتقاد رکھتا ہو وہ اس کی حقیقی معرفت سے منحرف ہو جاتا ہے اور سرانجام بارگاہ الٰہی میں بے ادبی و کفر تک جا پہنچتا ہے۔

خدا میں تغیر کی نفی

آپ علیہ السلام نے فرمایا: وَلَا يَتَغَيَّرُ اللهُ بِانْغِيَارِ الْمَخْلُوقِ۔۔۔ الخ یعنی: "مخلوق کی تبدیلی کے ساتھ خدا میں تبدیلی نہیں آتی۔ کسی محدود کیبد کے ساتھ خدا محدود نہیں ہوتا۔" اللہ تعالیٰ تمام موجودات کا خالق اور اُن پر حاکم ہے۔ مخلوقات پر حاکم تمام قوانین اُسی نے بنائے ہیں۔ کسی وجود کی حدود کا تعین کرنا، کسی مخلوق کو مخصوص ساخت اور بناوٹ عطا کرنا، اور ہر چیز کو اس کے کمال کی طرف ہدایت کرنا اور تمام مخلوقات پر اُن سے مخصوص قوانین کو حاکم قرار دینا فقط پروردگار عالم ہی کا کام ہے لیکن وہ خود ان قوانین کے تابع نہیں بلکہ ان کا واضع اور ان پر حاکم ہے۔ لہٰذا وہ مخلوقات کی تمام خصوصیات سے منزہ ہے مثلاً متغیر ہونا، محدود ہونا کہ جن سے اُن کے مخلوق ہونے کی حکایت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ظاہر و باطن اور نزدیک ہونے کا معنیٰ

امام رضا علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ظاہر ہونے کے بارے میں یوں فرماتے ہیں: "اس کا ظاہر ہونا۔۔۔ اس کے اشیاء پر محیط اور قادر ہونے کی وجہ سے ہے۔۔۔ ظاہر ہونے کا ایک اور معنیٰ یہ بھی ہے کہ وہ ہر شخص کے لئے ظاہر ہے جو اس کا طالب ہو۔ وہ آشکار ہے یعنی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ پس خداوند متعال سے زیادہ کون آشکار ہو سکتا

ہے؟ کیونکہ تم جس جانب بھی رُخ کروگے اُسی کی مخلوق اور صنعت کو دیکھوگے اور خود تمہارے اندر بھی اس کے وجود کی بے شمار نشانیاں موجود ہیں۔

خدا کی تجلی کا معنٰی یہ نہیں ہے کہ وہ مخفی ہونے کے بعد آنکھوں سے دیکھا جائے بلکہ وہ اپنے تمام اسماء وصفات کے ساتھ کائنات کے مختلف مراتب میں ہر عالم کی مناسبت سے اور ہر مخلوق اہلیت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے تجلی کرتا ہے۔ اس کے باطن ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ موجودات کے اندر نامحسوس اور مخفی ہے بلکہ ہر موجود اُس کی بے انتہا صفات کی محدود تجلی ہے اور اس کے تمام اسماء وصفات یعنی علم، قدرت، حکمت اور ارادے کو مکمل طور پر ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہے۔ امیر المؤمنین علی علیہ السلام اس بارے میں فرماتے ہیں: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ عَنْ شَبَهِ الْمَخْلُوقِينَ۔۔۔''[19] یعنی: "تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جو مخلوقات کی مشابہت سے بہت بلند تر، توصیف کرنے والوں کے تعریفی کلمات سے بالا تر، اپنے عجیب وغریب نظم ونسق کی بدولت دیکھنے والوں کے سامنے آشکارا اور اپنے جلال عظمت کی وجہ سے وہم وگمان دوڑانے والوں کی فکر واوہام سے پوشیدہ ہے۔ وہ لطیف ہے کا معنٰی یہ نہیں کہ وہ جسمانی لحاظ سے لطافت رکھتا ہے بلکہ بقول امام رضا علیہ السلام: وَ أَمَّا اللَّطِيفُ فَلَيْسَ عَلَى قِلَّةٍ۔۔۔'' یعنی: ''خدا کے لطیف ہونے کا مطلب کم، باریک اور چھوٹا ہونا نہیں بلکہ اس کا معنٰی (اس کے اسماء وصفات کا) اشیاء میں نافذ ہونا اور ناقابل ادراک ہونا ہے۔"[20]

ازلیت وابدیتِ خدا

اللہ تعالیٰ کی صفات ثبوتی میں سے ایک "ازلیت" و"ابدیت" ہے۔ تمام خدا پرستوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ازلی ہستی ہے یعنی گزشتہ دور میں عدم کا ماضی نہیں رکھتا اور دوسری جانب وہ ایک ''ابدی'' ہستی ہے یعنی آئندہ بھی کبھی معدوم نہیں ہوگا۔[21] اس کے ساتھ ہی بعض اوقات ان دو کلمات کے علاوہ صفت ''سرمدی'' بھی اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کی جاتی ہے جس کا ایک مرکب معنیٰ ہے یعنی وہ ذات ازلی وابدی ہے یعنی ایک ایسی ہستی ہے جو تمام زمانوں (گزشتہ، حال اور آئندہ) میں موجود ہے۔

امام رضا علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی اس صفت کے بارے میں فرماتے ہیں:

> لِشَهَادَةِ الْعُقُولِ أَنَّ كُلَّ صِفَةٍ وَ مَوْصُوفٍ مَخْلُوقٌ۔۔۔ الخ یعنی: "انسانی عقلیں گواہی دیتی ہیں کہ صفت وموصوف ہر دو مخلوق ہیں اور ہر مخلوق گواہ ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے جو نہ صفت ہے اور نہ موصوف۔ اور ہر صفت وموصوف گواہی دیتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہیں۔ اور دو اجسام کا ایک دوسرے کے ہمراہ ہونا اُن کے حادث ہونے کی دلیل ہے۔ اور حادث ہونا ازلی ہونے کے منافی ہے۔"[22]

پس جس طرح صفت و موصوف اپنے محدود اور مخلوق ہونے کی گواہی دیتے ہیں اسی طرح ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ اور محتاج ہونے کی بھی شہادت دیتے ہیں اور ان کا ایک دوسرے کے ساتھ ہونا ایک دوسرے کے بغیر کمال تک پہنچنے میں مانع بنتا ہے۔ پس یہ دونوں محتاج، محدود اور مخلوق ہیں اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ دونوں حادث ہیں اور اپنے وجود میں آنے کے لئے خالق کے محتاج ہیں جبکہ ازلی ذات محدود اور حادث اور مخلوق نہیں ہو سکتی۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات نہ حادث ہے نہ محتاج ہے اور نہ مخلوق ہے جس سے پتا چلا وہ ازلی و ابدی ہے۔

صفات خدا

توحید ی مباحث میں سے ایک بحث یہ ہے کہ آیا صفات خدا عین ذات ہیں یا زائد بر ذات ہیں؟ اہل حدیث قائل تھے کہ خدا کی صفات اس کی ذات کے علاوہ ہیں اور معتزلہ قائل تھے کہ خدا کی صفات اس کی عین ذات ہیں۔ امامیہ اور معتزلہ اس مسئلہ میں اتفاق نظر رکھتے ہیں۔اس زمانے کے اصحاب حدیث ، صفات خدا کے بارے میں اختلاف رائے رکھتے تھے اور امام رضا علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کے مناظرات توحید کے مسئلہ میں یا تو دہریوں وزندیقوں میں سے تھے یا اصحاب حدیث سے ہوئے جن کا ذکر حدیث کی کتب میں ملتا ہے۔ بعض روایات میں اصحاب حدیث کا ذکر ہے اور بعض میں امام کے ماننے والے امام علیہ السلام سے انہی عقائد کے بارے میں سوال کرتے تھے۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کی اصحاب حدیث کے ساتھ انہی مسائل پر گفتگو ہوتی اور وہ آ کر امام علیہ السلام سے اس بارے میں استفسار کرتے اور امام جواب دیتے تھے۔

قدرت خدا کا معنی

راوی کہتا ہے: "قُلْتُ لِلرِّضَا ع خَلَقَ اللہُ الْأَشْيَاءَ بِالْقُدْرَةِ۔۔۔"[23] یعنی : "امام علیہ السلام سے خدا کی قدرت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ خدا نے قدرت کے ذریعے اشیاء کو خلق کیا ہے تو امام علیہ السلام نے جواب دیا کہ : یہ تعبیر درست نہیں ہے کہ قدرت کے ذریعے خلق کیا کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قدرت کو خدا کے علاوہ قرار دے رہے ہو۔ یعنی قدرت کو آلہ قرار دے رہے ہو جس کے ساتھ اس نے خلق کیا۔ یہ تعبیر شرک ہے کیونکہ خدا کو اور صفت قدرت کو جدا مان رہے ہو۔ درست تعبیر یہ ہے کہ خدا بذات خود قادر ہے یعنی قدرت اس کی ذات میں ہے۔" گویا امام علیہ السلام یہ بتانا چاہتے ہیں کہ خدا کی صفات عین ذات ہیں نہ کہ زائد بر ذات۔

صفات، عین ذات

عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ: سَمِعْتُ الرِّضَا ع يَقُولُ لَمْ يَزَلِ اللہُ تَعَالَى عَالِماً قَادِراً۔۔۔الخ[24] یعنی : "حسین بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے ایک موقع پر امام رضا علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ خدا عالم و قادر و حی و قدیم سمیع و

بصیر ہے۔ میں نے آپ سے عرض کی کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی ہمیشہ سے عالم ہےایک علم کے ساتھ، ایک قدرت کے ساتھ قادر ہےاور حی ہےایک حیات کے ساتھ اور قدیم ہےایک قدامت کے ساتھ اور سمیع وبصیر ہےایک سماعت بصارت کے ذریعے ۔آپ نے فرمایا: جو ان مذکورہ معانی کے ذریعے خدا کو مانے اس نے گویا خدا کے ساتھ دوسرے خدا کو مان لیااور وہ ہماری ولایت سے بے بہرہ ہے۔ حق بات یہ ہے کہ یہ تمام صفات عین ذات ہیں۔خدا عظیم ہر اس چیز سے مبرا ہے جس چیز کے بارے میں مشرکین اور مشبہ عقیدہ رکھتے ہیں۔

توحید اور امامت کا باہمی تعلق

توحید اور امامت کا باہمی تعلق ہے۔اس تعلق کو سمجھے بغیر نہ توحید الٰہی کو سمجھا جاسکتا ہےاور نہ ہی امامت کو۔ائمہ اطہار علیہم السلام نے اپنے فرامین میں کثرت کے ساتھ توحید وامامت کے اس تعلق کو ذکر کیا ہے جیسا کی ایک مشہور حدیث میں امام رضاعلیہ السلام اپنے آباء واجداد سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے فرمایا:"لاإله إلا الله حصنی، فمن دخل حصنی أمن من عذابی ... بشرطها و شروطها وأنا من شروطها۔[25] یعنی: " لااله الا الله، میرا قلعہ ہے، پس جو میرے قلعہ میں داخل ہوگیا وہ میرے عذاب سے امان پاگیا، کچھ شرطوں کے ساتھ اور میں اس کی شرطوں میں سے ہوں۔" لہٰذا اللہ کے قلعہ میں داخل ہونے کے لئے کچھ شرطیں ہیں اور حضرت امام رضا علیہ السلام کی ولایت کو قبول کرنا اور اس کا معتقد ہونا، اس کے شرائط میں سے ایک ضروری شرط ہے۔ بنابریں توحید اور امامت کا باہم ایسا تعلق ہے کہ جس کو اللہ نے امام قرار دیا ہے، اگر اس کی امامت کو قبول نہ کیا جائے تو درحقیقت وہ شخص توحید پر ایمان نہیں لایا اور اللہ کے عذاب سے امان میں بھی نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ مکتب اہل بیت اطہار علیہم السلام میں توحید اور معرفت خدا کی بحث بہت اہمیت رکھتی ہے۔ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے توحید الٰہی کی تفسیر بیان کرنے، اسے تحریف سے بچانے اور اس کا حقیقی مفہوم واضح کرنے میں بہت ہی اہم کردار ادا کیا ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نے اپنے زمانے کے مخصوص حالات میں کہ جب الٰہیات سے متعلق مباحث اپنے عروج پر تھیں، مسلمانوں کے درمیان حقیقی توحید تعلیمات کی ترویج اور اسے انحرافی راستے سے محفوظ رکھنے میں سخت محنت کی ہے اور عباسی خلافت کے مخصوص حالات میں کہ جہاں دینی عقائد کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کا رجحان بہت زیادہ تھا، حقیقی توحید اور اسلام کی خالص تعلیمات کی نشرواشاعت کا اہتمام کیا۔اس سلسلے میں امام علیہ السلام کو سخت ترین امتحانات سے گزرنا پڑا۔آپ کی یہ تعلیمات موجودہ حالات میں مذہب اہل بیت علیہم السلام کے حقیقی چہرے کی شناخت کرانے اور اس پر پڑی تحریف وخرافات کی گرد کی جھاڑ پھٹک میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

*****

References

1. Shaykh Azizullah, al-Atardi, al-Khurasani. *Masnad al-Imam Rida* a.s (Beirut: Dar al-Safwa, 1413AH): 15; Saduq, Ibn-e Babuweyh, Muhammad b. *Ali, al-Tawhid*, (Qum: Jamia Mudarresīn, 1398AD), 52.

شیخ عزیزاللہ، العطاردی، الخراسانی، *مسند الامام رضا (علیہ السلام)* (بیروت، دارالصفوۃ،1413ھ)، 15؛ محمد بن علی، ابن بابویہ، محمد بن علی، *التوحید*، محقق/ مصحح: حسینی، ہاشم (قم، جامعہ مدرسین، 1398ھ)، 52۔

2. Shaykh Mufīd, Muhammad b. Nouman, *al-Amali*, annotated by Ustad Wali, Husyn, and Ghaffari Ali Akbar (Qum: International Congress on 1000th of Shaykh Mufid, 1413AH), 256.

شیخ مفید، محمد بن نعمان، *الامالی*، محقق/ مصحح استاد ولی، حسین و غفاری علی اکبر، (قم، کنگرہ جہانی ہزارہ شیخ مفید، 1413ھ۔ق)، 256۔

3. al-Shaykh Muhammad, al-Muhammadi al-Ray Shehri, *Mizan al-Hikmah*, vol. 3 (Qum: Sazman Chap wa Nashr Dar al-Hadith, 1386AD), 1896.

الشیخ محمد، المحمدی الری شہری، *میزان الحکمہ*، ج3 (قم: سازمان چاپ و نشر دارالحدیث، 1386ش)1896۔

4. Muhammad B. Ali, Ibn-e Babuweyh, Saduq, *Uyūn Akhbar al-Riza a.s*, vol. 1 (Tehran: Nashr-e Jahan, 1378AD), 132.

صدوق، محمد بن علی، ابن بابویہ، *عیون اخبار الرضا* (ع)، ج1 (محقق، مصحح، لاجوردی، مہدی (تہران، نشر جہان، 1378ھ)، 132۔

5. Ibid. 127-29.

ایضا، 127-129۔

6. For more details see *Tafsīr al-Mizān*, vol. 10 under verses 14 of the chapter al-Mominoon (Tehran: Chap-e Islamiyah, nd).

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: *تفسیر المیزان*، ج۱۵، ذیل آیہ ۱۴ سورۃ المومنون (بیروت، موسسۃ الاعلمی، 1417ھ)

7. Saduq, *Uyūn Akhbar al-Riza a.s*, 127-29.

صدوق، *عیون اخبار الرضا* (ع)، 127-129۔

8. Ibid.

ایضاً۔

9. Shaykh Mufīd, Muhammad b. Nouman, *al-Amali*, 255.

شیخ مفید، محمد بن محمد بن نعمان، *الأمالی*، 255۔

10. Ibid.

ایضاً۔

11. Ibid. 256-60.

ایضاً، 256-260۔

12. Ibid. 256-60.

ایضاً، 256-260۔

13. Ibn-e Shu'ba Harrani, Hasan b. Ali, *Tohaf al-Uqūl* (Qum: Jamia Mudarrasīn, 1404AH) 171.

ابن شعبہ حرانی، حسن بن علی، *تحف العقول*، محقق/ مصحح: غفاری، علی اکبر (قم، جامعہ مدرسین، 1404ھ)، 171۔

14. Extract from Nasir Makarim Shirazi, *Tafsīr-e Namuna* (Tehran: Chhap=e Islamiya, 1387 AD).

اقتباس از، ناصر مکارم، شیرازی، *تفسیر نمونہ* (تہران، چاپ اسلامیہ، 1387ش)

15. Saduq, *Uyūn Akhbar al-Riza a.s*, 114.

صدوق، *عیون اخبار الرضا* (ع)، 114۔

16. Ibid. 191.

ایضاً، 191۔

17. Ibid. 197.

ایضاً، 197۔

18. Muhammad Baqir b. Muhammad Taqi, Majlisi, *Bihār al-Anwār*, vol. 68 (Beirut: Dar Ihya al-Turath al-Arabi, 1403AH), 23.

محمد باقر بن محمد تقی، مجلسی، *بحار الانوار*، ج68 (بیروت، دار إحیاء التراث العربی، 1403ھ)، 23۔

19. Radi, Sharīf, *Nahaj al-Balaghah*, trans. Mufti Ja'faar Husyn (Lahore: Imamia Kutub Khana, nd), sermon 211.

رضی، شریف، *نہج البلاغہ*، ترجمہ مفتی جعفر حسینؒ (لاہور، امامیہ کتب خانہ، سن ندارد)، خطبہ 211۔

20. Muhammad b. Yaqub, Kulayni, al-Kafi, vol. 1 (Tehran: Taba'h Dar al-Kutub al-Islamiyyah, 1407AH), 122.

محمد بن یعقوب، کلینی، *الکافی*، ج1، محقق/ مصحح: محمد غفاری علی اکبر و آخوندی (تہران، طبعۃ دار الکتب الإسلامیۃ، 1407ھ)، 122۔

21. Muhammad Taqi Misbah Yazdi, *Amuzish-e Aqai'd*, vol. 1, 4th ed. (Tehran: Sazman-e Tablighat, 1369AD), 85.

محمد تقی مصباح یزدی، *آموزش عقاید*، ج1، چ چہارم (تہران، سازمان تبلیغات، 1369)، 85۔

22. Saduq, *Uyūn Akhbar al-Riza a.s*, 169; Muhammad b. Ali, *al-Tawhīd*, 35.

صدوق، *عیون اخبار الرضا* (ع)، 169؛ محمد بن علی، *التوحید*، 35۔

23 . Ibid. 169.

ایضا، 169۔

24. Ibn-e Babuweyh, *Ali, al-Tawhid*,35.

ابن بابویہ، *التوحید*، 35۔

25. Ibid. 25.

ایضا، 25۔